اثباتِ صلیب رنگ معقولیت میں

مرحوم علامہ یوسف جلیل ایم۔اے

The Evidence of the Cross

(Logically)

Late Allama Yousaf Jalil M.A

www.noor-ul-huda.com

ہر ایک شے جس کا وجود اس کی اپنی ذات کے لئے ہو شعور رکھتی ہے۔ سنگ و خشت میں اس وجہ سے شعور کہ اُنکا وجود اُنکی اپنی ذات کے لئے نہیں۔ جمادات کے اعلیٰ طبقہ میں ہی اسکی تجلی کی کچھ جھلک پائی جاتی ہے۔ جمادات کے مقابلے میں نباتات اس سبب سے اعلیٰ طور پر شاعر بالذات ہیں کہ اُن کا وجود کسی حد تک ان کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ حیوانات، نباتات سے مقابلۃً اعلیٰ شعور سے مختص و ممتاز ہیں۔ انسان وجہ سے اشرف المخلوقات ہے کہ اسکا وجود اشرف اور افضل حیثیت میں اس کی اپنی ذات کے واسطے ہے اور دیگر اشیاء کے مقابلہ میں کہیں زیادہ شعور رکھتا ہے۔

قانون سلسلہ کائنات کا یہ ہے کہ ہر شے جو شعور کے باعث دوسری چیز پر تفوق رکھتی ہے اس کے لئے ادنیٰ شے قربانی کرتی ہے۔ مثلاً زمین حیات بخش اغذیہ، جوہر اور زندگی افروز طاقت نباتات کو دیتی ہے۔ نباتات، حیوانات کی خوارک بنتی ہیں۔ نباتات اور حیوانات ہر دو انسان کے لئے قربانی کرتے ہیں۔ انسان کے اخلاقی عروج و کمال اور روحانی ارتقا کا انحصار اس امر میں پنہاں ہے کہ وہ اپنے خاندان اپنے ملک و قوم اور سوسائٹی کے مفاد کی خاطر قربانی سے دریغ نہ کرے۔

قربانی کے باعث وجود و شخصیت کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ الید العلیٰ خیر من الید السفلیٰ۔ شائد اعلیٰ قربانی کی وجہ سے درخت زمین سے سربلند اور آفتاب عالمتاب سر بفلک پہاڑوں سے کہیں بلند و بالا درخشاں و تاباں ہے۔

اگر علم علت علم معلول پر دلالت کرتا ہے تو علم معلول بھی علم علت پر دال ہے کیونکہ از روئے منطق عکس مستولی میں دونوں موجبہ جزیئے درست و صحیح ہوا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ذات باری تعالیٰ میں شعور و قربانی کا وجود شہود ہے۔ وضاحت اس حقیقت کی یہ ہے کہ ذات الوہیت کے بطون

میں اقنوم اول اپنی الوہیت اقنوم ثانی کو اور اقنوم ثانی اپنی الوہیت اقنوم ثالث کو ہر لحظہ وہر آن عطا کرتا ہے رہتا ہے۔اسی سریان باہمی کے باعث کہا گیا "خدا محبت ہے "ازل کے خلوت کدوں میں تینوں اقانیم جن کے لئے ماضی، حال، مستقبل، کی کوئی حیثیت نہیں انسان کی بے بسی، تباہ حالی اور روحانی موت کا نظارہ کررہے تھے۔ بات یہ چھڑی کہ ہم تینوں میں سے کون ہے جو جامئہ انسانیت پہن کر انسان کے آڑے آئے۔اقنوم ثانی نے جو سراسر شعور وحکمت الٰہی ہے برضاورغبت اپنے آپ کو اس مہم کو سر کرنے کے لئے پیش کیا۔اسی حقیقت کی جانب پولوس رسول نے اشارہ لطیف کرتے ہوئے کہا کہ برہ توازل میں مذبوح ہوا لیکن اس کا ظہور خارجی آخری دنوں میں ہوا۔

قربانی خدا کی فطرت ہے کس لئے کہ تثلیث فی التوحید کا ثمرہ عصارہ یہی ہے۔خدا محبت ہے اور محبت کے لئے قربانی لازم ہے تو اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ خدا کے لئے قربانی لازم وواجب ہے۔تمام ادیان عالم اور مذاہب دنیا میں خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی قربانی کا عالمگیر تصور موجود ہے۔تمام اشیائے کائنات کے وجود بقا کا انحصار قربانی پر ہے۔جس سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ قربانی ذات حق کی فطرت ہے کیونکہ ذات مصنوع ذات صانع کی کچھ نہ کچھ آئینہ داری ضرور کرتی ہے۔ مسیح جو کلمتہ اللہ حکمت الٰہی اور شعولم یزلی ہے۔عدم کی تاریکیوں کو معبدل بحر وجود کرنے کے لئے عدم آباد میں آموجود ہوا۔تاریکی میں نور چمکا۔شب عدم میں کلامِ حق کی آواز گونجی تو سب چیزیں خلق ہو گئیں جب انسان کی فطرت گناہ آلودہ ہوگئی۔جب اس کی طبعیت بگڑ گئی اور جب اس کی روحانی زندگی میں بگاڑ رونما ہوا۔ نہیں بلکہ خدا کی وہ صورت جس پر وہ خلق ہوا تھا مسخ ہوگئی تو مسیح اس عصیان آلود فطرت اس زندگی کے عدم آباد اور اس وجود کے بگاڑ میں آموجود ہوا۔نور تاریکی میں دوبارہ چمکا تاکہ وہ ناقصیت کو کاملیت میں موت کو زندگی میں گناہ وعصیان کو نیکی وراستبازی میں تبدیل کردے اور انسان کو الوہیت کے نور صفات سے تاباں ودرخشاں کردے۔

قربانی شخصیت کی تفسیر ہے۔ذات حق کا انکشاف مسیح کی قربانی کے وسیلے سے یوں ہوا کہ تمام صفات الٰہی صلیبی موت کے ذریعے سے ظاہر وباہر ہوگئیں۔ذات حق کے انصاف ومحبت کا شہود اس کی صفت جلالیہ اور اس کی صفات جمالیہ کا کامل ظہور اور اس کے فضل وکرم اور اس کے قہر وغضب کا اعلیٰ بروز عالم گیر قربانی میں ہوا۔وحدت صفاتی کا مظاہرہ اگر کہیں ہوا تو وہ صلیب پر ہی ہوا۔دنیا کو اس کے بروز کی راہ اور اس کے ظہور کی سبیل کسی اور جگہ نظر نہ آئی۔

کامل الوہیت نے بنی اسرائیل سردار کاہن کی طرح کامل انسانیت کی عالمگیر قربانی ایک دفعہ ہی پیش کی۔اس واحد وبے نظیر قربانی کا اظہار صلیب پر ہی ہو سکتا تھا۔قربانی اعلیٰ عبادت ہے۔کوئی عبادت قربانی کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔کوئی شخص بے خدا کے بے حد تقاضا کے مطابق عبادت نہیں کرسکتا۔اس حقیقت کو حدیث شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ماعرفناک حق معرفتک وماعبدناک حق عبادتک یعنی اے خدا ہم نے تجھے ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ تجھے پہچاننا چاہیے تھا اور ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسی عبادت کے ہم پر واجب تھی۔ عبادت سے مراد ہے اپنے ارادہ کو خدا کے ارادے کے ماتحت کردینا اور اسی کا ہو جانا ہے۔ مسیح نے اپنے جسمانی ارادوں اور نفسانی خواہشوں کو مصلوب کرکے وہی راہ اختیار کی جو خدا کی تھی۔ چنانچہ گتسمنی باغ میں اس نے فرمایا کہ "میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو"۔صلیب پر اپنی دنیاوی زندگی کے آخری لمحات میں اُس نے فرمایا" پورا ہوا"یعنی تیری حمد وعبادت کا حق پورا ہوا۔الوہیت مسیح صلیب کی بلندیوں سے ہی ایسی واحد بے مثال قربانی اقنوم اول کو پیش کرسکتی تھی۔یہ قربانی مسیح کی کامل انسانیت اور بے داغ جسمانیت کی تھی جس میں تمام مخلوقات کا عکس موجود تھا۔

ہبوط آدم کے باعث زمین لعنتی ہو گئی اور اس کی خاک سے اٹھنے والے تمام انسان گناہ وعصیاں کے باعث لعنتی ہو گئے تھے۔ صلیبی موت لعنتی موت متصور ہوتی تھی۔ لیکن کلمتہ اللہ نے اس لئے صلیبی موت اختیار کی کہ وہ اپنی عالمگیر قربانی کے اعجاز سے صلیب کو رحمت وبخشش کی علامت میں تبدیل کردے۔ گناہ کی سزا موت ہے۔ دنیا سے گناہ کی لعنت کو دور کرنے کے لئے لعنتی موت کی ضرورت ہے اس لئے مسیح کا صلیب پر مرنا۔ واجب ولازم ٹھہرا۔ پارس پتھر جب کسی چیز کو چھوتا ہے تو اسے خالص سونے میں تبدیل کردیتا ہے۔ کلمتہ نے موت کو زندگی میں قہر وغضب کو رحمت وبخشش میں اور گناہ وعصیاں کو نیکی میں بدل دیا۔ اس تاریکی کو حقیقی نور ہی دور کر سکتا تھا۔ گناہ، موت وعدم ہے اور اسے وجود حقیقی ہی زندگی نیکی اور راستبازی میں تبدیل کر سکتا تھا۔

مسیح کو صلیبی موت کی خوفناک گہرائیوں میں اترنا ضروری تھا تاکہ اس پر فتح عظیم حاصل کرکے اسے ناچیز اور حقیر ثابت کرے اور اس کے خوف وہراس کو مسرت وشادمانی میں اور اس کی اذیت اور اس کے تمام دکھوں کو آرام وراحت میں منتقل کردے۔ موت کی تمام اذیتوں کا احساس کوڑے کھانے مصلوب ہونے اور دل کے چھیدے جانے سے ہی ہو سکتا ہے وہ موت کی پستیوں میں سے ہو کر گذرا تاکہ کوئی انسان یہ نہ کہہ سکے کہ انسان کو تو موت کی اذیتوں اور اس کی درد انگیز کیفیتوں کا تجربہ ہے اور خدا اس سے محروم ہے کامل الوہیت نے مسیح کی کامل انسانیت کے تصلب میں موت کا تجربہ بھی کیا اور اسے ناچیز وحقیر ثابت کردیا۔

مسیح کی قربانی کامل، عالم گیر اور بے مثال وعدیم النظیر ہے۔ وہ مصلوب ہو کر ہی ایک ہاتھ سے اہل یہود کو اور دوسرے ہاتھ سے غیر اقوام کو اس کفارہ کے قبول کرنے کے لئے اشارہ ہائے لطیف کر سکتا تھا۔ وہ پرانے عہد نامہ کی ابتدا اور نئے عہد نامہ کی انتہا ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف صلیب ہی کر سکتی تھی۔ گناہ کے ہیبت ناک انجام کو صلیبی موت ہی ظاہر کر سکتی تھی، جسمانیت وانسانیت کے اعتبار سے اس کے لئے موت کا پیالہ نوش کرنا ضرور ہے قرآن میں آیا ہے۔ کل نفس ذائقتہ الموت۔ لیکن قدرتی اور فطرتی طریقہ کے مطابق اس کا مرنا اس کے معجزات کا نقیض ومتضاد تھا، اس لئے دوسروں کے ہاتھ سے مقتول ومصلوب ہونا واجب ٹھہرا۔ ایک نئی انسانیت کو پیدا کرنے کے لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ پرانی انسانیت کو مقتول ومصلوب کردیا جائے صوفیائے کرام کہا کرتے ہیں کہ عالم کون وفساد ہر لحظہ فنا پذیر ہو کر ہر آن از سر نو معرض وجود میں آتا رہتا ہے۔ یونان کے ہرقلیس نامی فلاسفر اور افلاطون نے بھی یہی خیال اہل عالم کے سامنے پیش کیا تھا کیا تمام اشیائے کائنات کی یہ کیفیت وخاصیت کلمتہ اللہ (جواُن کا خالق ہے) کی موت اور اس کی دوبارہ زندگی پر دلالت نہیں کرتی؟ آدم اول درخت ممنوعہ کا پھل کھانے سے گنہگار وخطاکار ہوا۔ خدا کی بے ناراضی اور تقدس کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے آدم ثانی کا درخت (صلیب) پر سزا کے طور پر آویزاں کیا جانا ازبس ضروری تھا۔

تاریخی شواہد

یونانی تہذیب وثقافت علم وفضل کا مرکزی نقطہ ہے موجودہ فلسفہ وسائنس کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔ یونانی حکومت کے بعد رومی سلطنت کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ رومیوں نے یونانی فلسفہ کی ترویج کی۔ وہ یونانیوں کی طرح نظری لوگ نہ تھے بلکہ عملی تھے۔ اُنہوں نے یونانی فلسفہ پر شاندار قانون اور اعلیٰ انداز حکومت کا اضافہ کیا۔ مسیح کے ظہور کا موزوں مناسب زمانہ تھا کیونکہ اس وقت اہل عالم اس کی تعلیمات کو سمجھنے کے اہل ہو گئے تھے۔ مسیح کی ولادت کے

وقت یہود کا علاقہ جس میں مسیح پیدا ہوا تھے رومیوں کے زیر تسلط تھا۔ یونانی اور رومی دور حکومت میں کئی یہودی لوگوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کر کے یہودی حکومت قائم کرنے کے خیال سے بغاوتیں کیں۔ اور ناکام ہو کر مقتول ہوئے۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ مسیح دنیا میں آکر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے عہد کی سی ایک شاندار یہودی سلطنت قائم کرے گا اور وہ آزادی کی فضا میں سانس لینے لگیں گے۔

مسیح نے آکر دنیاوی بادشاہی کے بجائے آسمانی بادشاہی قائم کرنے کا دعویٰ کیا۔ مزید برآں اُس نے الوہیت کا اعلان کیا، اس لئے یہودیوں نے اسے رومی حکومت کا باغی، سرکش اور کافر قرار دے کر مصلوب کرایا۔ رومی حکام غیر رومی مجرموں کو مصلوب ہی کیا کرتے تھے۔ رومی حکومت کا باشندہ ہونے کی وجہ سے مسیح کا مصلوب ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ مشہور مورخ یوسیفس کے علاوہ دیگر رومی یہودی مورخین نے بھی مسیح کی صلیبی موت کا ذکر کیا ہے۔ اہل یہود آج تک متواتر مسیح کو مصلوب کرنے کے معترف ہیں۔ مسیحی لوگ اس کی صلیبی موت پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام کلیسیائی مورخین واقعہ صلیب کے موید ہیں۔ ایران کے مشہور بادشاہ خسرو پرویز کا مسیحی جرنیل جس کا نام شاہین تھا یروشلیم کو فتح کرنے کے بعد مسیح اور اُس کے ساتھ مصلوب ہونے والے دو ڈاکوؤں کی صلیبیں ایران میں لے آیا تھا۔ مشرقی رومی حکومت کے ساتھ صلح ہو جانے کے بعد وہ تینوں صلیبیں واپس بھیج دی گئیں۔ خسرو پرویز طعنہ کے طور پر ہمیشہ ایرانی مسیحیوں کو کہا کرتے تھے کہ تم اس مسیح پر ایمان رکھتے ہو جو یہودیوں کے ہاتھ سے مصلوب ہوا تھا۔ الغرض دوست دشمن یگانے اور بگانے سبھی مسیح کی صلیبی موت کے قائل ہیں تصلیب مسیح ایک تاریخی حقیقت ہے۔ مسیح کی صلیبی موت کے بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اس امر میں کسی کو جرات دم زدن نہیں۔ یہودی اور مسیحی جو ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف و دشمن رہے ہیں۔ واقعہ صلیب پر متفق ہیں جنہوں نے مصلوب کیا۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہاں ہم نے اسے مصلوب کیا۔ جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ بتواتر ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح مصلوب ہوا۔ اس کے شاگردوں نے مسیح مصلوب کی ہی تبلیغ کی۔ آج کے دن تک مسیحی مبلغین بتواتر مسیح کی صلیبی موت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں جس معاملہ میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں متفق ہو جائیں۔ اس کی تردید و تکذیب محل ہوا کرتی ہے۔ رومن کیتھولک کلیسیا مسلسل و متواتر اس امر کا دعویٰ نہایت واشگاف الفاظ میں کرتی ہے کہ مسیح کے تبرکات میں اس کی صلیب بھی شامل ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ رومی مسیحی کہتے ہیں کہ وہ رومال جو مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد اس کے منہ پر باندھا گیا تھا وہ پوپ کے پاس موجود ہے اس رومال کا نام ویرونکا ہے۔

الہامی شہادتیں

عہد عتیق میں مسیح کی صلیبی موت کے بارے میں بہت سے واضح اشارات پیش خبریوں کے طور پر مذکور ہیں اور بہت سی آیات اس کے دکھ اٹھانے اور مرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ باغ عدن میں بے گناہ جانوروں کا خون بہا کر ان کی کھال سے حضرت آدم و حوا کے لئے چمڑے کے لباس تیار کرنا مسیح کی قربانی کی جانب ایک اشارہ لطیف ہے حضرت اسحاق کو مذبوح ہونے سے بچا کر ان کے عوض ایک مینڈھا مہیا کرنا اسی حقیقت کی نشاندہی تھی۔ حضرت اسحاق کے بدلے مینڈھا یا برہ مہیا کرنا الٰہی انتظام تھا۔ بنی اسرائیل میں متداول ہونے والی تمام قربانیاں مسیح کی قربانی پر دلالت کرتی تھیں۔ قرآن کریم میں فدیناہ بذبح عظیم (ہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا) سے اس حقیقت کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ مینڈھے یا برے کی قربانی "عظیم" ہرگز نہیں ہو سکتی عظیم صفت مشبہ ہے جس سے مراد صفی معنی کا دوامی طور پر پایا جانا ہے۔ بنا بریں یہ آیت کریمہ ہمارے نزدیک ایک عالمگیر اور ابدی

قربانی پر دلالت کرتی ہے حضرت ابراہیم کے ایام میں بت پرست اقوام اپنے بیٹوں کو کفارہ کے طور پر قربان کیا کرتے تھے۔ حضرت اسحاق کو ذبح کرنے سے خدا کا منع کر دینا اس امر کو آشکارا کرتا ہے کہ اگر انسان خدا کی رحمتوں کے بدلے یا اپنے گناہوں کے کفارہ کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دے تو حق تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ انسان بھیڑ بکریوں یا دوسری چیزوں کی قربانی کفارہ کے طور پر پیش کرے شائد غالب نے اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

گنتی ۲۱: ۸ میں مرقوم ہے۔ خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ایک جلانے والا سانپ بنا لے اور ایک بلی پر لٹکا دے اور جو سانپ کا ڈسا ہوا اس پر نظر کرے گا تو وہ جیتا بچے گا"۔ پیتل کے سانپ کا یہ واقعہ مسیح کی صلیب کا آئینہ دار ہے۔ مسیح نے اپنی صلیبی موت کے متعلق پیشین گوئی کی تھی۔

"جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں اونچے پر چڑھایا اسی طرح ضرور ہے کہ ابن آدم اونچے پر چڑھایا جائے"۔

ان تمام اشارات اور ان تمام پیش خبریوں کا پورا ہونا ضروری امر ہے جس طرح دیگر پیشین گوئیاں اپنے وقت پر پوری ہوئیں اسی طرح مسیح کی صلیبی موت کے متعلق پیشین گوئی بھی پایہ تکمیل تک پہنچی۔

ظہور اسلام سے پیشتر عرب میں رکوسیہ فرقہ کے لوگ کہتے تھے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا وہ زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور ایک دوسرا آدمی جو اس کا ہم شکل ہو گیا تھا اس کی جگہ مصلوب ہوا۔ راسخ العقیدہ کلیسیا نے ان لوگوں کو بدعتی قرار دے کر کلیسیا سے خارج کر دیا تھا۔ مولانا عبدالاحد دہلوی نے اپنی تاریخ عرب میں ان لوگوں کے خیالات کی نشاندہی کی ہے اسی طرح شیوع اسلام سے پہلے ایران میں مانی نے جو دراصل ایک فلاسفر تھا مسیحیت اور زرتشت ازم کی بعض تعلیمات کو مخلوط کر کے ایک نیا مذہب جاری کیا تھا مانوی مذہب بعضوں کے نزدیک زرتشت ازم کا اور بعض لوگوں کے خیال میں مسیحی مذہب کا ایک بدعتی فرقہ تھا جو ایک ہزار سال تک موجود رہا اور مسیحیت کا شدید ترین دشمن متصور ہوتا رہا۔

ایران کے شاہ بہرام نے اس مذہب کا قلع قمع کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن اس کی سعی مشکور نہ ہوئی بلآخر مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا استیصال ہوا۔

مانی نے مسیح کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا کہ یسوع نور ہے وہ مقتول و مصلوب نہیں ہو سکتا تھا۔ مسیح کے مقتول و مصلوب ہونے متعلق علما اور مفسرین قرآن کے تین گروہ ہیں۔ اولاً بعض مفسرین نے رکوسیہ فرقہ اور مانی مذہب کے خیالات سے متاثر ہو کر اپنی تفاسیر میں لکھا ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا شاگرد شمعون کرینی جو اسکا ہم شکل بن گیا تھا مقتول و مصلوب ہوا اور مسیح آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا۔

ثانیاً۔ بعض علما مثلاً وہب، ابومسلم خراسانی، ابوعسا کر امام مالک اور اکثر معتزلہ کہتے تھے کہ مسیح مصلوب ہوا اور تین گھنٹے یا چھ گھنٹے یا نو گھنٹے مردہ رہنے کے بعد آسمان پر صعود کر گیا۔

ثالثاً۔ موجودہ زمانہ میں بعض اصحاب کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح مصلوب تو ضرور ہوا مگر غشی کے عالم میں اسے صلیب سے اتار لیا گیا۔ پھر مرہم عیسیٰ کے استعمال سے بصحت ہو کر کشمیر کی جانب چلا یا آیا اور مرنے کے بعد یہی مدفون ہوا۔ یہ تمام امور تاریخ قرائن و قیاسات اور کتب مقدسہ کے برعکس و نقیض ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کتب مقدسہ کا مصدق و موید اور مہیمن یعنی نگہبان و محافظ ہے۔ اسلئے اس کی پہلی کتابوں سے موافقت

اور مطابقت نہایت ضروری ہے ورنہ وہ نہ مصدق ہے اور نہ موید اور نہ ہی مہیمن ہے۔ تاریخ حقیقت واقعیت کا عکاسی کا نام ہے۔ اور وہ الہامی تکملات کا شاہد صادق ہے۔ اس لئے قرآن کریم نہ تو تاریخ کو جھٹلا سکتا ہے اور نہ الہام و مکاشفہ کی تکذیب کر سکتا ہے۔ وہ فطرت الٰہی، تاریخ و فلسفہ اور الہامات کا مکذب و متضاد و متبائن نہیں ہو سکتا۔ یہ امر از قبیل محالات ہے۔

سورہ عمران میں آیا ہے۔ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ترجمہ: جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تجھے پاک کروں گا اور ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ جن لوگوں نے تیری پیروی کی میں اُنہیں قیامت کے دن تک ان پر غلبہ دوں گا جنہوں نے کفر کیا۔ (سورہ عمران آیت ۵۵)۔

اس آیت کریمہ کے آغاز میں اللہ کا عیسیٰ کے ساتھ پہلا وعدہ جو ضرور پورا ہوا مذکور ہے وہ وعدہ یہ ہے کہ میں تجھے وفات دوں گا۔ متوفیک کا معنی تمام مفسروں نے ممیتک لکھا ہے جس کا معنی ہے میں تجھے ماروں گا۔ اس وعدہ کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ میں تجھے وفات کے بعد اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ رافع کا لفظ رفع سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ مادی چیز کو نیچے سے اٹھا کر اوپر لے جانا رافعک کے معنی ہے۔ اے عیسیٰ! میں تجھے موت کے قبر میں سے اٹھاؤں گا، اپنی طرف اٹھاؤں گا، سے مراد ہے کہ میں جو زندگی و حیات کا سرچشمہ ہوں اپنی طرف اٹھاؤں گا یعنی تجھے زندہ کروں گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر شخص مرتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی روح خدا کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا دستور العمل ہے۔ اس لئے اللہ کو حضرت عیسیٰ سے خاص وعدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس وعدہ میں ضرور تخصیص ہے قرآن کی فصاحت وبلاغت ایضاح الواضح کی اجازت نہیں دیتی بنابریں حضرت عیسیٰ کے طریقہ اماتت ورفع میں ضرور خاصیت کا پہلو ہے لہذا رفعک کا مفہوم یہی ہوا کہ میں تجھے اپنی طرف جو حیات وبقا کا سرچشمہ ہوں لا کر تیرے مردہ جسم کو قبر میں سے اٹھا اور اُس کے جسم مبارک کے گلنے کی نوبت نہ آئی۔ یہ وعدہ یہ پیش خبری اور یہ بشارت پرانی کتب مقدسہ بالخصوص زبور میں مندرج تھی مطھرک من الذین کفروا میں حضرت عیسیٰ کو یہودیوں کے تمام الزامات سے بری کرنے کا وعدہ مرقوم ہے۔ اس آیہ کریمہ کے آخری حصہ میں یہودیوں اور کافروں پر مسیحیوں کے غلبہ کا ذکر ہے جو قیامت کے دن تک رہے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ آخری وعدہ پورا ہو چکا ہے تو مارنے اور زندہ کرنے میں وعدہ جو آیت سے یہ مبرہن نہیں ہوتا کہ مسیح قیامت کے زمانہ میں ظہور ہو کر مرے گا اور زندہ ہو گا۔

مسیح کے یوم ولادت، یوم الموت اور یوم الرفع کے بارے میں سورہ مریم میں آیا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (سورہ مریم آیت ۳۳)۔

ترجمہ۔ سلامتی وبرکت ہے میرے اوپر جس دن میں پیدا ہوا جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھوں گا قابل غور بات یہ ہے کہ خدا حضرت یحییٰ کے یوم پیدائش یوم وفات اور یوم حیات کی بشارت دیتا ہوں لیکن مسیح بذات خود جبکہ وہ ہنوز شیر خوار بچہ تھا اپنے بارے میں کہتا ہے کہ جس دن میں مرونگا اور جس دن میں زندہ ہو کر اٹھوں گا، مجھ پر سلامتی وبرکت ہے ایسا اس لئے ہوا کہ وہ کلمۃ اللہ تھا، وہ خود صلح وسلامتی کا شہزادہ تھا۔ وہ

خود صاحب الوہیت تھا اس لئے اس نے اپنی اختیار کردہ انسانیت اور اپنی قبول کردہ جسمانیت کے یوم پیدائش یوم وفات اور تجدید حیات کے دن اپنے آپ کو مبارک و باسلامت کہا اس قرآنی نکتہ سے بھی صرف نظر مناسب ہے کہ اسی بے مثال انسانیت و جسمانیت کو جو مسکن الوہیت ہونے کی جہت سے بے نظیر بے مثال ہو گئی تھی، مسیح نے عبداللہ قرار اور اس کے حق میں جعلنی ملو کا کہا۔ قرآن کریم نے مسیح کی انسانی شخصیت پر روشنی ڈالی تو اسے کلمۃ اللہ روح اللہ کے خطابوں سے نواز کر اس کی الٰہی شخصیت اور اس کے صاحب الوہیت ہونے کی تصدیق بھی کر دی گویا وہ خود ہی مبارک اور خود ہی مبارک ہے۔

آیت مرقومہ کا پہلا لفظ السلامہ ہے جس پر الف لام داخل ہے۔ عربی زبان میں الف لام تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی کی رو سے مسیح کے سلام و سلامتی و برکت میں کوئی غیر شریک شامل نہیں۔ وہ سلامتی و برکت میں واحد بے نظیر ہے۔ اس کے تقدس اور اس کے بابرکت و سلامت ہونے کی نسبت سے اس کا یوم الولادت یوم الموت اور یوم الرفع و تجدید حیات تینوں مبارک و مقدس ہیں ان تینوں دنوں میں فقید المثال اور بے نظیر امور وقوع پذیر ہوئے وہ تینوں بے مثال ایام کلمۃ اللہ کی عدیم النظیر شخصیت کی نسبت و تعلق سے لاثانی وفقید المثال ہیں انہی اعتبارات کے پیش نظر مسیح نے غیر مبہم اور غیر مثنی معنوں میں اپنے لئے السلمہ علی کہا۔

سلسلہ توالد و تناسل قائم ہو جانے کے بعد بن باپ پیدا ہونا نوع انسانی میں ایک بے مثال واقعہ ہے۔ اسی طرح اس کی صلیبی موت کے ہنگام، تاریکی کا چھا جانا، زمین کا اپنی جگہ سے سرک جانا چٹانوں کا تڑک جانا۔ بھونچال کا آنا، قبروں کا پھٹ جانا اور مقدسین کا زندہ ہونا یہی امور ہیں جو اس کے یوم الموت کو بے نظیر بنا دیتے ہیں صرف مسیح ہی کی یہ شان ہے کہ وہ موت ایسی مہیب و دہشتناک موت پر غالب آیا اور مرنے کے بعد جی اٹھا اور ایک جلالی وبسیط جسمانیت کے ساتھ صعود فرما گیا۔

معترض کہہ سکتا ہے کہ حضرت یحییٰ کے متعلق بھی تو قرآن کریم میں اسی قسم کی آیت وارد ہوئی ہے جو یوں ہے۔ وسلمہ علیمہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یعبث حیا۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں سلمہ کے لفظ پر الف لام داخل نہیں لہذا اسلام و سلامتی و برکت میں عمومیت ہے تخصیص نہیں بنابریں حضرت یحییٰ کے یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم تجدید حیات میں بے نظیری اور غیر ہمنائی کی شان نہیں، نہ ان سے متعلقہ تینوں دن بتواتر مقدس و مبارک متصور ہوئے ہیں۔ کلمۃ اللہ کی شخصیت بے ہمتا ہے جس نے اس کے یوم تجسم، یوم موت اور یوم تجدید حیات تینوں کو واحد بے مثال بنادیا۔ حضرت یحییٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (سورہ عمران) انہیں کلمۃ اللہ سے خاص تقرب و نسبت اور خاص تعلق جسمانی وزمانی وروحانی ہے اس لئے ان کے یوم پیدائش ان کے یوم وفات اور ان کے یوم تجدید حیات کا بلا سلامت اور مبارک ہونا ضروری ہے واجب ہے اس بیان سے مسیحی تعلیمات کے اس نکتہ کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ نامناسب منسوب کے فرق کی جہت سے مسیح و یحییٰ کے پیدا ہونے، مرنے اور تجدید حیات میں تفاوت عظیم ہے لیکن نسبت کے اعتبار سے چونکہ ناسب و منسوب یکساں برابر ہیں اس لئے مسیح کا حضرت یحییٰ کی طرح (جو قتل کئے گئے تھے) مرنا اور زندہ ہونا ضروری ٹھہرا۔ مزید براں یہ حقیقت بھی کھل جاتی ہے کہ ہر وہ شخص جسے کلمۃ اللہ نے خاص رفاقت وقرب اور خاص تعلق و نسبت ہو اس کے پیدا ہونے، اس کے مرنے اور اس کے تجدید حیات کے دن مبارک اور باسعادت ہیں۔

۲۔ تعریف و تخصیص کے علاوہ الف لام معہود ذہنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس معنی کے منوال سے مسیح کی سلامتی و برکت شائع وذائع ہے۔ اس کے پیدا ہونے، مرنے اور جی اٹھنے کے دن بتواتر مبارک اور مقدس محسوب ہوتے رہے ہیں اور ابتدا سے تا ایندم متعارف و مشہور ہیں۔

۳۔الف لام استغراق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اس قبیل سے مسیح کی جسمانیت اور انسانیت یا اس کی جلالی شخصیت فرشتے اور تمام قسم کے لوگ تمام زمانوں میں مبارک باسلامت گرادنتے رہے ہیں اور اس کی پیدائش کے دن، مرنے کے دن اور جی اٹھنے کے دن اس سے نسبت رکھنے کے باعث ہمیشہ مبارک ومقدس متصور ہوتے رہیں گے ظہور اسلام سے پیشتر بھی مسیحی کلیسیائیں، مسیح کے یوم الاولادت، یوم الموت اور یوم الرفع کو مبارک ومقدس قرار دیتی رہیں۔ ظہور اسلام کے ایام اور ان کے بعد بھی یہ تینوں دن باسعادت متصور ہوتے رہے۔تاریخ آیت محولہ بالا کی موید ہے کہ مسیحی بتواتر تسلسل مسیح کے یوم ولادت، یوم موت بلکہ صلیبی موت کے دن اور جی اٹھنے کے دن کو مقدس اور مبارک مانتے ہیں۔

ظہور اسلام سے صدیوں پہلے مسیحیوں کے نزدیک مسیح کا یوم ولادت یوم الموت اور اس کے زندہ ہونے کا دن مبارک وسعید تھا۔ ظہور اسلام کے ایام میں بھی یہ تینوں دن مسعود متصور ہونگے اور دور حاضرہ میں بھی یہ تینوں دن متبرک ومبارک سمجھے جاتے ہیں یہ دن مسیح کی ولادت وموت اور تجدید حیات کے باعث واجب الاحترام ہیں۔اس صداقت پر قرآن کریم نے آیت مذکورہ میں مہر ثبت کردی ہے۔پہلی منقولہ آیت قرآنی نے الیٰ یوم القیامتہ کے ذریعہ حکمی فیصلہ دے دیا اور رشک وشبہ کی تمام تاریکیوں کو دور کردیا ہے۔

قرآن کریم میں جو آیت متنازعہ فیہ ہے وہ سورہ النساء میں یوں آتی ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (سورہ النساء آیت 157تا158)۔

ترجمہ: اور بہ سبب ان کے قول کے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم خدا کے رسول کو مار ڈالا اور یہودیوں نے اسے نہیں مارا اور نہ اسے صلیب چڑھایا بلکہ اسے صلیب پر ان کے لئے مشابہ بالموتی بنایا گیا ہے اور جنہوں نے اسکے متعلق اختلاف کیا وہ اس بارے میں شک وشبہ میں ہیں اور اُنہیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں مگر گمان کی پیروی کرنا اور یقیناً اُنہوں نے اسے نہیں مارا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور خدا غلبہ پانے والا اور صابر حکمت ہے۔

اس سے پہلے آیات میں یہودیوں کے حضرت مریم پر بہتان لگانے، انبیا کو قتل کرنے اور اُنکی دل کی سختی کا حال مذکور ہے۔ محولہ بالا آیت میں مندرج ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا اور آج کے دن تک وہ اپنے دعویٰ پر قائم ہیں وہ ایسا دعویٰ مسیح کے کلمۃ اور صاحب الوہیت ہونے کی تردید میں کیا کرتے تھے قرآن کریم ان کے اس دعویٰ فاسدہ کا ابطال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو قتل کیا تھا اور نہ اسے مصلوب کیا کیونکہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ مصلوب نہیں ہوسکتی تھی۔اس حقیقت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے کہا وَلٰـکِن شُبِّہَ لَھُم یعنی اہل یہود کو مسیح کی انسانیت وجسمانیت صلیب پر مشابہ الموتی دکھائی گئی۔پوشیدہ نہ رہے کہ شبہ شبہ اور شبہ وغیرہ سے متعلق ہے جس کا معنی شکل وصورت ہے۔ شباہ مشبہ کی جمع ہے شبہ ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو اس وقت طاری ہوتی ہے جب ایک چیز دوسری چیز کی شکل وصورت کی ہوجائے اور انسان اصلی چیز کے امتیاز میں متردد ہوجائے۔ تشبیہ شبہ سے شق ہے جس کا معنی ایک چیز کو دوسری شئے کی شکل وصورت کو بنادینا۔ شبہ اس کی ماضی مطلق مجہول ہے جس کا معنی ہے اس شے کو دوسری چیز کی شکل وصورت دے دی گئی۔ لغوی تحقیق سے مراد ہوا کہ شُبِّہَ لَھُم سے مراد ہے اہل یہود کو مسیح صلیب پر مشابہ بالموتی دکھایا

گیا چونکہ جسمانیت مسیح کلمۃ اللہ۔ روح اللہ اور الوہیت کا مسکن تھی اور الوہیت کے فیضان سے اس کے جسم مبارک نے قبر کی پستیوں میں سے جی اٹھنا تھا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا مقتول، مصلوب ہونا ناممکن تھا لیکن جسمانیت اور انسانیت کی رو سے اس کے لئے مرنا واجب ولازم تھا اس لئے قرآن کریم نے مسیح کو کچھ عرصہ کیلئے مشابہ الموتی قرار دے دیا۔ ماقتلوہ وماصلبوہ اس اعتبار سے بھی کہا کہ دراصل رومی حکومت نے مسیح کو مصلوب ومقتول کیا تھا یہودیوں نے اسے مصلوب نہیں کیا تھا۔ یہودیوں نے مسیح کو مصلوب کرنے کی ترغیب دلائی تھی لیکن ایک حیثیت سے وہ بھی قاتل وصالب ہی تھے لہذا کہہ دیا شبہ لہم یعنی انہیں قاتلین سے تشبیہ دے دی گئی۔

اگر اس آیت متنازعہ رفیعہ کی اس رنگ میں تفسیر نہ کی جائے تو وہ دیگر آیات قرآنی کی منبائن ومتضاد ہو جائے گی اور کلام الٰہی میں تبائن وتضاد ومحال عقلی ونقلی ہے۔ ان الذین اختلفوا فیہ یعنی شک۔ آیت مذکورہ کے اس حصہ میں یہودیوں کے ایک اختلاف کا حال مندرج ہے۔ یہ اختلاف مسیح کے عدم موت وموت اور عدم تصلب وتصلب کے متعلق نہیں تھا۔ کس لئے کہ اہل مسیحیت واہل یہود اور اہل روم مسیح کی موت وتصلیب کا پورا پورا یقین ہو چکا تھا یہ اختلاف مسیح کے زندہ ہونے اور زندہ نہ ہونے، اُس کے جی اٹھنے اور نہ جی اٹھنے کے متعلق تھا اور اس کے دوبارہ زندہ ہونے کی حقیقت کو مخفی وپنہاں رکھنے کے باعث تھا یہ اختلاف مسیح کی عظمت وبرتری کو پوشیدہ رکھنے کے متعلق تھا۔ چنانچہ متی ۲۸: 1 اتا ۱۵ میں اس اختلاف کا منظر ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے"۔

جب وہ جارہی تھیں تو دیکھو پہرے والوں میں سے بعض نے شہر میں آکر تمام ماجرا امام اعظم سے بیان کیا۔ اور انہوں نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دے کر فرمایا یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے تو اس کے شاگرد آکر اسے چرا لے گئے۔ اور اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی تو ہم اسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچالیں گے۔ پس انہوں نے روپیہ لے کر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے۔

زمانہ مابعد کے یہودیوں کو قیامت مسیح اور اس کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق کوئی علم نہ تھا اور وہ اسی وہم وگمان میں گرفتار رہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے قرآن نے انجیلی بیانات کا ہمنوا ہو کر کہہ دیا کہ ماقتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ یعنی یہودیوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا کیونکہ دراصل رومیوں نے اسے قتل کیا یا وہ اس کے جسم وجسمانیت کو ہی قتل کر سکے وہ الوہیت مسیح کلمۃ اللہ اور روح اللہ کو قتل نہ کر سکے چونکہ الوہیت مصلوب نہ ہو سکی اس لئے اس نے جسمانیت اور انسانیت مسیح کو اپنی طرف اٹھا کر زندہ کر دیا۔ اس نے مردہ جسمانیت کو قبر کی خوفناک گہرائیوں سے نکال کر زندگی دی رفع اللہ الیہ سے مراد مسیح کا رفع آسمانی بھی مراد ہے۔ اگرچہ خدا ہر جگہ حاضر وناظر ہے تاہم اس کی اعلیٰ شان واعلیٰ مرتب کی رو سے آسمان اس سے مختص ہے۔ حضرت داؤد زبور میں لکھتے ہیں:

"آسمان اس کا تخت اور زمین اس کی چوکی ہے"۔

اگرچہ مندرجہ بالا آیت قرآنی کی تفسیر میں یہ کہا جائے کہ مسیح مقتول ومصلوب نہیں ہوا بلکہ اس کی جگہ شاگرد شمعون کرینی صلیب پر آویزاں کیا گیا تو اس صورت میں قرآن کریم تاریخی حقیقت اور الہام مکاشفہ کا مکذب اور کتب مقدسہ کا غیر مصدق۔ غیر موید اور غیر معین ثابت ہوتا ہے۔ مزید براں ذات الٰہی سے نعوذ باللہ مکر وفریب۔ دھوکہ اور ضعف کا انتساب لازم آتا ہے۔ ہم یہ تمام امور ذات حق کے نقیض ومنافی سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس نوع کی تفسیر سے احتراز کا دامن تھامنے پر مجبور ہیں۔

دور حاضرہ میں بعض اشخاص یہ کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر اتنی جلدی کیسے مر گیا؟ وہ غشی کے عالم میں صلیب سے اتار لیا گیا اور مرہم عیسیٰ کے استعمال سے روبصحت ہونے کے بعد وارد کشمیر ہوا اور مرنے کے بعد یہیں اس پر موت وارد ہوئی۔ لیکن یہ تمام امور تاریخ اور قرائن و قیاسات کے برعکس ہیں اور انجیلی بیانات اس قسم کے تمام خیالات کی تردید و تکذیب کرتے ہیں۔ گتسمنی باغ میں مسیح نہایت کرب عالم میں مبتلا رہا، اسی عالم میں وہ گرفتار ہوا اسے بے حساب مکے اور طمانچے مارے گئے۔ اسے بہت سے کوڑے جن کی ضربوں سے کمزور و ناتواں آدمی کا جان بحق ہو جانا ضروری ہوا کرتا تھا، مارے گئے۔ ان کوڑوں سے اس کے جسم مبارک کے مختلف حصوں سے خون بہتا رہا۔ زبور نویس اسی واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اُنہوں نے میری پشت پر کئی مرتبہ ہل چلائے اور اس پر ریگھاریاں بنائیں اس کے سر پر سرکنڈے مارے گئے جن کے باعث اس کے سر سے خون بہتا رہا۔ اس کے سر پر لمبے کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ ان کانٹوں کے باعث بھی خون بہتا رہا۔ وہ کئی دن تک بھوکا پیاسا رہا اسے کمزوری وضعف کے عالم میں بھاری صلیب اٹھا کر کوہ کلوری پر چڑھنا پڑا۔ ناتوانی اور کمزوری کے باعث وہ زمین پر گر پڑا۔ صلیبی موت کے تصور ہی سے بعض مجرموں پر غشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ لہذا صلیبی موت کا تصور بھی اس کی سوہان روح بنا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں لمبے لمبے کیلوں سے صلیب پر گاڑے گئے اور خون اس کے جسم سے مسلسل و متواتر بہتا رہا۔ اسی حالت میں وہ نو گھنٹے تک صلیب پر آویزاں رہا۔ ان تمام اذیتوں کی تاب نہ لا کر اس کا مر جانا تعجب خیز نہیں اور اگر ہو بھی تو وہ بھالا جو اسکی پسلی میں لگا اس نے اُس کے دل کو چھید ڈالا جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔

پیلاطس اور رومی صوبیدار نے جو غیر اسرائیلی تھے اس کی موت کا یقین کیا۔ اہل یہود نے اسے مقتول و مصلوب کر کے دم لیا۔ وہ اسے کب زندہ چھوڑ سکتے تھے۔ صلیب نور و تاریکی کی حق و باطل کی، اور نیکی و عصیاں کی جنگ تھی اس میں طرفین نے اپنا پورا پورا زور لگایا۔ بنا بریں مسیح صلیب سے زندہ نہیں اتر سکتا تھا۔ اس کے شاگردوں نے اکناف عالم میں مسیح مصلوب کی ہی منادی کی۔ مسیحیوں نے آج کے دن تک بتواتر اس کے صلیبی موت پر ایمان رکھا اس پر متزاد یہ کہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں کلیسیا مصلوب ہو کر ایک نئی شان اور ایک نئے جلال میں زندہ ہوتی رہتی ہے یہ ہے کہ زندہ ثبوت مسیح کے تصلب کا۔

صلیب تمام کائنات کا مرکزی نقطہ ہے۔ وہ کلیسیا کی روح رواں ہے۔ تاریخ اس کی تجلیوں سے روز روشن کی مانند منور ہے۔ فلسفہ کے جلوت کدے اس کے نور سے روشن ہیں۔ الہام و مکاشفہ میں اس کا ظہور ہے۔ فطرت الٰہی میں اس کا جمال و جلال ہے۔ اس لئے اس کی تردید و تکذیب میں قلم اٹھانا حقیقت کا منہ چڑانے کے مصداق نہیں تو اور کیا ہے۔